رئیس احمد جعفری

تاثرات

پچھلے مہینے میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے جو متعدد اعتبارات سے محل فکر و نظر ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مشرق اوسط پر فرنگی اقتدار اور سطوت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ برطانیہ اور فرانس کو مصر، شام، عراق اور لبنان پر مالکانہ تصرف حاصل تھا۔ یہی کیفیت مغرب اقصیٰ کی تھی۔ لیکن دوسری جنگِ عظیم نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ آقاؤں کو اپنی آقائی سے دست بردار ہونا پڑا۔ غلاموں نے غلامی کی بیڑیاں ایک جھٹکے میں توڑ دیں۔ عراق آزاد ہو گیا۔ مصر عروس حریت سے ہمکنار ہوا۔ شام اور لبنان نے آزادی حاصل کر لی۔ جہاں فرنگی دبدبے اور طنطنے کا یہ عالم تھا کہ لارڈ ایلنبائی، لارڈ کچنر اور جارج لائیڈ نے فرعون کی سرزمین پر فرعونیت کا شد و مد کے ساتھ مظاہرہ کیا تھا، جن کے دربار میں خدیو مصر کو سر کے بل حاضر ہونا پڑتا تھا، وہاں آزادی کے معاً بعد حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے کہ پرانی بساط ہی الٹ گئی اور سابق آقاؤں سے تعلقات نے حد درجہ تلخ اور نازک صورت اختیار کر لی۔

نہر سویز قومیالی گئی۔ قاہرہ کے کروڑپتی اور ارب پتی غیر ملکی تاجر اور سوداگر بیک بینی و دو گوش رخصت ہو گئے۔ ان کے ہوٹل، ان کے بینک، ان کے طرب خانے، ان کی کارگاہیں اور ان کا کاروبار حکومت کی تحویل میں آ گیا۔

اس صورت احوال نے مغرب اقصیٰ اور مشرق اوسط کی سیاست کو آماجگاہِ کشمکش بنا دیا۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس کے مابین فکری اور نظریاتی نزاع برپا ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک نے اس نوآزاد سرزمین کو زیر اثر لانے کی جدوجہد شروع کر دی۔

چنانچہ وسط مئی میں مسٹر خروشیف قاہرہ پہنچے۔ کہتے ہیں کہ اس دھوم دھام کا استقبال شاید ہی کسی غیر ملکی کا ہوا ہو گا۔ خروشیف صاحب دھواں دھار تقریروں کے بادشاہ ہیں۔ انھوں نے بہ بانگ دہل بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ارشاد فرمائی کہ فلسطین کے مظلوم عرب مہاجرین کو ان کا حق ملنا چاہیے اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ نے جو تجاویز منظور کی ہیں انھیں روبہ عمل لانا چاہیے۔

کسی انصاف پسند کو ان ارشادات سے اختلاف نہیں ہو سکتا اور ہم تو ایک مسلمان کی حیثیت سے "تین بڑوں میں سے ایک بہت بڑے" کی عربوں سے یہ ہمدردی دیکھ کر اپنی ممنونیت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے ——— تری آواز مکّے اور مدینے!

لیکن بصد ادب سوال یہ ہے کہ فلسطین کے مظلوم عربوں کے ساتھ خروشیف صاحب کی ہمدردی کسی اصول پر مبنی ہے یا صرف سیاست پر؟

اگر صرف سیاست نہیں ہے بلکہ اصول پر مبنی ہے تو ہم ان سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ قبرص کے مظلوم ترک اس ہمدردی سے کیوں محروم ہیں؟ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو اس ہمدردی میں سے کچھ حصہ کیوں نہیں ملتا؟

ظلم اگر بُری چیز ہے تو اس کی غیر مشروط مزاحمت ہونی چاہیے خواہ وہ کسی سے سرزد ہو۔ مظلومیت اگر سزاوار ہمدردی ہے تو اس ابر کرم کے چھینٹوں سے دشمنوں کو بھی محروم نہیں رہنا چاہیے۔ انصاف، انسانیت دوستی اور سچائی کا تقاضا تو یہی ہے۔ ویسے نطق آرائی کا کمال، اور داستاں طرازی کا ہنر بازار سیاست میں اتنا عام اور سستا ہوتا جا رہا ہے کہ اب اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔

———•———

صدر مملکت نے گزشتہ ماہ جو تقریریں علی گڑھ اولڈ بوائز کے اجتماع میں، اور اردو کالج

کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ارشاد فرمائیں وہ بھی اپنی معنویت، افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے حد درجہ غور طلب ہیں۔

پہلی بات صدر مملکت نے یہ فرمائی کہ اپنے نصاب تعلیم کو انقلاب آفریں بنانے کے لیے ہمیں انہی لائنوں پر سرگرم کار ہو جانا چاہیے جو روس نے اختیار کی ہیں۔

صدر مملکت کی اس رائے سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن اگر واقعی ایسا کرنا ہے تو پھر تعلیم کے صیغے کو مرکزی صیغہ بنانا پڑے گا۔ یہ صیغہ جب تک صوبوں کی تحویل میں رہے گا اس وقت تک ہمارے نصاب تعلیم اور اسلوب تعلیم میں ہم آہنگی نہیں پیدا ہو سکتی، جو انقلاب آفریں ہو۔

دوسری بات صدر مملکت نے یہ ارشاد فرمائی کہ اردو اور بنگالی کا رسم الخط عربی ہونا چاہیے۔

یہ تجویز نئی نہیں ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی ہال میں یہ تجویز تاریخ کانفرنس میں پیش کی تھی۔ لیکن ہنگامہ آرائی کی نذر ہو گئی۔ اب حالات بدل چکے ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں صدر مملکت کے اس ارشاد پر یقیناً زیادہ سنجیدگی سے غور کیا جا سکتا ہے۔ یہ مفید اور مستحسن تجویز اگر عملی صورت اختیار کر لے تو مغربی اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے سے اتنی طویل مسافت کے باوجود بہت قریب ہو سکتے ہیں۔

تیسرا ارشاد صدر مملکت کا یہ تھا کہ انگریزی کے وہ الفاظ جو فنی اور اصطلاحی طور پر سکۂ رائج الوقت بن چکے ہیں ان کا ترجمہ کرنے کی بجائے انھیں بجنسہٖ قبول کر لینا چاہیے۔

اردو زبان میں اتنی وسعت اور لچک ہے کہ وہ غیر زبانوں کے الفاظ حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ روادار ہے۔ چنانچہ دنیا کی بڑی زبانوں میں شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس کے کافی الفاظ اردو میں بجنسہٖ یا تلفظ کی معمولی ترمیم کے ساتھ استعمال نہ ہو رہے ہوں۔ لہٰذا یہ تجویز ہر اعتبار سے قابل قبول ہے۔ البتہ جن الفاظ کا بدل سبک، موزوں اور عام فہم مل جائے

ان کا ترجمہ کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں۔

لیکن اصل چیز جس پر صدر مملکت کو فوری طور پر توجہ مبذول فرمانی چاہیے یہ ہے کہ جلد از جلد قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا لیا جائے اور دفتری زبان کے طور پر اسے رائج کرنے میں امکانی عجلت سے کام لیا جائے۔ سردار نشتر مرحوم کچھ دن اگر اور گورنر رہ جاتے تو انھوں نے پنجاب میں یہ کام کر ہی لیا تھا۔ ون یونٹ بن چکا ہے لہذا پورے مغربی پاکستان میں یہ کوششِ ناتمام سعی کامگار کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔